ترکوں میں مذہبی احساسات کی بیداری

از

(ہاورڈ، اے، ریڈ، ناظر ادارہ مطالعات اسلامی، میک گل یونی ورسٹی)

مترجم

(کپتان محمد قطب الدین احمد صاحب بی۔اے)

کچھ عرصے سے ترکی میں عام طور پر اسلام کے ساتھ ایک دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اب اس بات میں شاید ہی کسی کو شبہ ہو کہ ترکی کی غالب اکثریت مسلمان باشندوں پر مشتمل ہے۔ اور انھیں اپنی اس حیثیت پر فخر و ناز ہے۔ اس صورتِ حال نے اربابِ حل و عقد کو چند در چند مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔ وہ اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ مذہب کے ان فطری جذبات کو ترکی کے دنیادارانہ، ترقی پسند اور انقلابی سرگرمیوں کے ساتھ ہم آمیز کر دیں تاکہ یہ آئندہ کسی ظلمت پسند ردِ عمل کی صورت اختیار نہ کرنے پائے۔ اگر یہ اس سیاسی و ثقافتی گتھی کے سلجھانے میں کامیاب ہو جائیں، تو ان کی یہ کامیابی نہ صرف ترکی کے لئے بلکہ تمام عالم اسلامی پر اس کے دور رس نتائج مترتب ہوں گے۔

ترکانِ آلِ عثمان کے اسلامی روایات

بحیثیت ایک قوم اور حکومت کے ترک ہمیشہ سے ایک راسخ العقیدہ، حنفی المذہب، سنی رہے ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کا اندازِ فکر ہمیشہ آزادانہ رہا ہے۔ وہ اپنے حکمرانوں سے بھی اس بات کے آرزو مند تھے کہ ایسے قوانین جو اصلاً دنیوی یا عرفی نوعیت کے حامل ہوں، ان کا وضع و نفاذ شرعی قوانین کے پہلو بہ پہلو کیا کریں، خواہ ان میں سے کوئی شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس خصوص میں ان کے سلاطین نے کسی طرح مایوس ہونے نہ دیا۔ سلطان محمد فاتح اور سلیمان اعظم جیسے سلاطین کی قانون سازیاں اگرچہ کہ ابتداءً اراضیات اور انتظامی معاملات تک

محدود تھیں، لیکن ان کی زد میں شریعت پر بھی پڑتی رہی، اور بعض اوقات تو خود شریعت کو ان کے لئے اپنی جگہ خالی کرنی پڑی۔ ۱۸۰۰ء اور خاص کر ۱۸۳۹ء کے بعد والے دور میں ترکوں کی توضیعات قانون نے شریعت کو اپنا تابع کر لیا، اور ۱۹۲۶ء کے بعد سے تو ان قوانین نے شریعت کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ دائرۂ قانون میں ایک عرصہ سے ترکوں کا اندازِ فکر یک گونہ آزادی کی طرف مائل رہا ہے۔

دوسری قابلِ لحاظ یہ حقیقت ہے کہ دولت عثمانیہ کے برسرِ عروج آنے کے بعد سے غیر مقلدانہ، متصوفانہ، اور درویشانہ تنظیمات نے، جو بعض اوقات کھلے طور پر ایران کی صفوی سلطنت سے دوستی کا دم بھرتے تھے، ترکی کی مذہبی زندگی، علی الخصوص دیہات و قریات کی آبادیوں پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ یہاں صرف یعنی چری بکتاشی گروہ بندی رہی اور فتوت تنظیمات یا سلطان سلیم کی ان سخت گیریوں کو پیش کرنا کافی ہوگا جو اس نے اناطولیہ میں ایک شیعہ سازشی گروہ کو ختم کرنے میں کام میں لائی تھیں تاکہ اس قسم کی بدعقیدہ جماعتوں کی طاقت و اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ ان باتوں سے ہمیں اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ خالص مذہبی معاملات میں بھی ترک کس قدر آزاد خیال اور جدت پسند واقع ہوئے تھے۔

جب ہم اپنے قریبی دور پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً مسلمانوں میں پہلا روشن خیال طبقہ، ترکوں کی وہ جماعت تھی جو انقلاب فرانس کے تصورات سے اولاً متاثر ہوئی اور انیسویں صدی میں اسلام کے ساتھ وابستہ رہ کر مغربی طریقوں کو اپنے ملک میں رواج دینا چاہا نامق کمال اس گروہ کا ایک سربرآوردہ رکن تھا۔ اس کی شہرت و ناموری کا زمانہ وہ تھا جب کہ جمال الدین افغانی ترکی میں قیام پذیر تھے لیکن اسلام کے ان دو پرجوش حامیوں میں باہم کسی قسم کے تعلق کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کی کوششیں یہ تھیں کہ مغربی اصول و آداب فن کے ذریعہ نئی قوت حیات اور جوش و سرگرمی کے حصول کے ساتھ مشرق کے مسلم علاقوں کو سیاسی آزادی دلائیں۔

اس صدی کے اوائل میں ہم ترکی میں ارباب دانش کے تین مکتب خیال سے دوچار

ہوتے ہیں۔ یہ تمام کے تمام اس کام پر وقف ہو چکے تھے کہ اپنے ملک کو عروج و ترقی کے بلند سے بلند زینوں پر پہنچائیں۔ ان میں سے ایک جماعت کا سر گروہ محمد عاکف تھا جو ایک زبردست مذہبی شاعر اور سر محمد اقبال کا بے انتہا دوست تھا۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ اسلام کی نشاۃِ جدید خود اسلام ہی کے ذریعہ حاصل کی جائے، دوسری ایک جماعت احمد رضا اور عبداللہ جودت سے منسوب، اور روایاتی مذہب کا مضحکہ اڑایا کرتی تھی۔ یہ یا تو منکرِ دین و مذہب تھے یا اس بات پر اعتقاد رکھتے تھے جسے ہم دنیا پرستی سے موسوم کر سکتے ہیں۔ تیسرا ایک ایسا گروہ تھا جو اس بات کا آرزو مند تھا کہ ترکی بولنے والی تمام ہم نسل قوموں کو ایک قسم کی ہمہ تورانی مملکت میں متحد، اور مغربی اصول آدابِ فن کو انتخابی طریق پر اختیار کرے۔ ضیا گوک آلپ، (Zia Gokalp) ماہر فلسفہ اجتماع۔ ترکیت اور اسلامیت کو باہم سمونے کا حامی تھا۔ اس کا شمار اصل و روح کے اعتبار سے اس تیسرے گروہ میں کیا جاتا ہے۔ ترکوں کی نوجوان نسل ۱۹۰۸ء کے بعد جب بر سرِ اقتدار ہوئی تو ان ہر سہ جماعتوں کی باہمی مجادلت، اور خود اپنے متلون و متناقض تصورات قومیت، عثمانیت، اور دستوریت کے نرغے میں پھنس گئی۔

نوجوان ترکوں کی یہ چندسری حکومت نے بہت جلد ایک انقراض پذیر سلطنت کو جنگ عظیم اول کی آگ میں جھونک دیا۔ خلیفہ کا اعلانِ جہاد خود اسی پر پلٹ پڑا جب کہ ہندوستان اور عرب کے مسلمان، باوجود غیرت و حمیتِ اسلامی کے دعووں کے، ترکی کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ تاہم اس جنگ سے یہ اہم نتیجہ برآمد ہوا کہ آزادیِ نسواں کی تحریک، کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ مساعیِ جنگ میں ان کی روز افزوں تعداد نے ان مردوں کی جگہ پر نرسوں، محرروں، معلموں اور کارخانے کے مزدوروں کی حیثیت سے عملی طور پر کام کرنا شروع کیا جو اس وقت مصروفِ کارزار تھے۔ ۱۹۱۶ء میں سیول میرج (Marriage Act) کو چند مناسب حال ترمیمات کے ساتھ جاری کیا گیا، جس میں فوری علیحدگی یا طلاق کے خلاف بہت سے تحفظات رکھے گئے تھے۔ کثرتِ ازدواج پر بھی سخت پابندیاں عائد کی گئیں جو اس

وقت کے تعلیم یافتہ طبقہ کے عین موافق تھیں۔ اس میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ ایک سے زیادہ شادی بلا زوجہ اول کی تحریری اجازت کے عمل میں نہ لائی جائے۔ اسی سال تعلیم نسواں کے سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا، اور استنبول یونیورسٹی میں لڑکوں اور لڑکیوں کی یک جائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں شرعی قانون کی عدالتیں وزارت عدالت دیوانی کے تحت کر دی گئیں۔

اتاترک کا دور

اتاترک نے انقلاب کے سلسلہ میں جو اصلاحی کام انجام دئے، ان کی کامیابی بہت کچھ ترکوں کے طرز و روش کی تغیر پذیری اور ان روایات کی رہین منت ہے جو ان میں ایک عرصہ دراز سے اسلام کی بابت آزادانہ رہی ہیں۔ انقلابی اصلاحات جو یکے بعد دیگرے اتاترک کی طرف سے عمل میں لائے گئے، ان کی ترتیب حسب ذیل تھی :-

(۱) ملوکیت کا خاتمہ ۱۹۲۲ء ؛

(۲) جمہوریت کا قیام ۱۹۲۳ء ؛

(۳) خلافت کی برخاستگی، مدرسوں، مکتبوں کی مسدودی، اور حکومت کی نگرانی میں ایک متحدہ تعلیمی نظام کا اجرا ۱۹۲۴ء ؛

(۴) درویشی نظامات کی موقوفی، اور ان کے متعدد زاویوں اور تکیوں کی مسدودی، مشاہیر اولیاء کی درگاہوں کو بند کرنا اور اس کے ساتھ یورپی لباس اور ہیٹ (Hat) کا استعمال ۱۹۲۵ء ؛

(۵) مغربی آئین و قوانین کی طرف رجوع، (جن کی طرف اشارہ عہد تنظیمات اور ترک نونہالوں کی قانون سازی میں پایا جاتا ہے)، مغربی بین الاقوامی تقدیم اور اوزان و پیمانہ جات کا استعمال ۱۹۲۶ء ؛

(۶) ابتدائی و ثانوی مدارس میں عربی و فارسی تعلیم کی موقوفی ۱۹۲۹ء ؛

(۷) عورتوں کو رائے دہی کا حق اور سرکاری خدمات عطا کرنا ۳۵-۱۹۳۰ء ؛

(۸) خطیبوں اور پیش اماموں کے مدرسوں کی موقوفی اور استنبول یونیورسٹی سے شعبۂ دینیات کی برخاستگی، (حالانکہ ان سب کو ۱۹۲۴ء کے جدید تعلیمی نظام میں برقرار رکھا گیا تھا) ۱۹۳۳ء

(۹) اور آخر میں غیر مذہبیت اور انقلابیت کو ترکی دستور کے دو اساسی اصولوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا، ۱۹۳۷ء

اتاترک کے پندرہ سالہ دور قیادت میں اجتماعی عبادات، اور مذہبی رسوم و اعیاد کی مقبولیت میں نمایاں طور پر انحطاط واقع ہوا۔ حکومت کی طرف سے نہ صرف عام مذہبی امور سے بے اعتنائی برتی گئی بلکہ مسلمانوں کے معاملات پر بھی سختی سے نگرانی کی جانے لگی۔ ۱۹۲۴ء میں ایک انتظامی محکمہ قایم کیا گیا، لیکن اس کو بعد میں نظارتِ امورِ مذہبی کی باقاعدہ حیثیت دے کر وزارتِ عظمیٰ سے وابستہ کر دیا گیا۔ یہ اس لئے قایم کیا گیا تھا کہ ترکوں کی قومی مذہبی زندگی کی رہنمائی کرے اور اس کو جزوی طور پر اپنے اختیار میں رکھے: اماموں، مفتیوں، متولیوں، اور اس قسم کے دیگر اہلِ خدمات کو صداقت نامے عطا کرے اور نیز ان کی تنخواہوں کی ادائی کا بندوبست کرے، اماموں اور مفتیوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ سرکاری اجازت یافتہ ہوں۔ بجز دیہات کے ان سب کی حیثیت فی الحقیقت سرکاری ملازمین کی سی تھی۔ ترکی میں مذہبی معاملات کی ذمہ داری نظارتِ امورِ مذہبی، نظامتِ اوقاف، اور وزارتِ تعلیم میں منقسم ہے۔ اس کے سبب کسی ایک محکمہ کے لئے یہ دشوار ہو گیا ہے کہ وہ ان پر بالکلیہ قابو و اختیار پا سکے۔ سابقہ غیر ذمہ دار اور سیاسی طور پر ذی اثر طاقتوں کو قابو میں رکھ کر یہ نگرانی اس غرض سے ضروری سمجھی گئی کہ اسلام اور حکومت میں بلا شائبہ ایک کھلا امتیاز قایم رکھا جائے۔ مگر اس پر یہ نکتہ چینی ہوتی رہی کہ یہ ایک بالکل غیر اصولی چیز ہے، اور مشکل سے اس پر غیر مذہبی ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ ان کاموں کے جواز و عدم جواز میں خواہ کوئی بھی استدلال پیش کیا جائے، لیکن اس کا اثر ترکوں کی زندگی میں ایک جذباتی، ذہنی، اور روحانی خلا، کی صورت میں ظاہر ہوا جس کی تلافی اس وقت مذہب کے ساتھ ایک والہانہ جوش اور سرگرمانہ دلچسپی سے کی جا رہی ہے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۳۸ء کو اتاترک کی موت نے قوم کو رنج و غم میں مبتلا کر دیا، اور اسی گریہ و ماتم کے دوران میں مساجد میں نمازیں ادا کی گئیں، جن کی پابندی سالہا سال سے موقوف ہو چکی تھی۔ پندرہ سال کے بعد نومبر ۱۹۵۳ء میں جب ان کی لاش عجائب گھر سے انیت بٹیے (Anıt Kabir) کے شاندار مقبرہ میں منتقل کی گئی تو پچاس ہزار آدمیوں کے اژدھام سے یہ مقام کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس کے سبب کچھ حادثات بھی واقع ہوئے۔ بہت سے لوگ ریلوں، بسوں اور پا پیادہ اناطولیہ کے دور دراز علاقوں سے یہاں پہنچے تھے تاکہ اپنے محبوب و محترم قائد کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کریں۔ ناظرین کا بیان ہے کہ ترکی کی تاریخ میں یہ موقع اپنی اثر انگیزی اور عبرت پذیری کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر تھا۔

اتاترک کا جانشین عصمت انونو ایک سپاہی منش و موقع شناس شخص تھا۔ یہ مذہبی معاملات میں اتاترک کے مقابلے میں کہیں زیادہ اعتدال پسند واقع ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے برسرِ اقتدار آتے ہی فضا میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ممکن ہے حالات سے وقوف و آگہی کی محض یہ ایک تدبیر ہو، مگر یہ چیز پیشِ نظر رہے کہ پہلے ہی سال عصمت انونو اور ترکی کی وزارتِ تعلیم نے استنبول یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی نگرانی میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے ترکی زبان میں ترجمہ کرنے اور اس پر نظرِ ثانی کرنے کی منظوری عطا کی۔ اس کی ادارت پر مشہور اہلِ علم، طبیب، اور مؤرخِ علوم، عبدالحق عدنان آدیور (Adıvar) کو مامور کیا گیا، جو حال ہی میں خود اختیار کردہ جلاوطنی سے اپنے وطن کو واپس ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں وزارتِ تعلیم کی سرپرستی میں دنیا کے ادبیاتِ عالیہ کا ترکی زبان میں ترجمہ بڑا معنی خیز ہے، کیونکہ جن ادبیاتِ عالیہ کا انتخاب کیا گیا تھا ان میں سے ایک زائد حصے کا تعلق مغربی ممالک سے تھا۔ یہ کام ۱۹۵۲ء تک شرمندۂ عمل نہ ہو سکا اس وقت ایک کمیشن نے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ جدید ترکی میں اسلامی ادبیاتِ عالیہ کے ترجمہ و اشاعت کا انتظام کیا جائے جو اصلاً عربی، عثمانی ترکی، اور دیگر زبانوں میں موجود ہیں۔ ۱۹۳۶ء اور دوبارہ ۱۹۴۲ء میں واقفلار درگیسی (Vakıflar Dergisi) کی شاندار اشاعتیں منظرِ عام

۵۴

پر آتیں۔ یہ ایک جدید رسالہ تھا جو اس محکمہ کی طرف سے شائع کیا جاتا تھا جس کے تحت مذہبی اوقاف تھے

مابعد جنگ رجحانات

جنگ عظیم ثانی کے نازک دور میں یہ ایک فطری تقاضہ تھا کہ ترک اپنی بقا و سلامتی کے لئے خالقِ کائنات کی طرف صدق دل سے رجوع ہوں، لیکن نئی نسل کی ایک کثیر تعداد مذہبی رسوم اور طریقہائے عبادت سے یکسر ناآشنا تھی کیوں کہ خاندان اور حکومت کی طرف سے تقریباً نصف صدی کی غفلت نے انھیں دینی تعلیم سے محروم کر رکھا تھا۔ اگرچہ کہ ۱۹۴۱ء میں ہر فوجی حد کے لئے ایک امام دوبارہ مقرر کیا گیا تھا، مگر چند ہی تعلیم یافتہ مذہبی پیشوا دستیاب ہو سکے تھے۔ تاہم بہت سے اصحاب خیر ایسے تھے جو اس نیک کام پر کثیر رقم خرچ کرنے پر آمادہ تھے۔ ان میں پیش پیش وہبی کوچ (Vehbi Koc) کی شخصیت تھی، جو ایک متمول تجارت پیشہ طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے مساجد کی تعمیر و ترمیم، عبادات پر تحریص و ترغیب اور مذہبی تعلیم کے انتظام پر ایک معتدبہ رقم صرف کی اور ترکوں کو اپنے عظیم اسلامی ورثہ سے روشناس کرایا۔ ۱۹۴۵-۴۶ء میں سالہاسال کے بعد پہلی مرتبہ پارلیمان میں مذہبی تعلیم کی بابت سوالات کیے گئے اور ان پر نہایت توجہ و دل جوئی کے ساتھ غور و تامل کیا گیا۔

۱۹۴۶ء کے بعد مخالف سیاسی پارٹیوں کے فروغ پانے نے مذہب کے ساتھ دل چسپی کو اولیں حیثیت عطا کی۔ حریف امیدوار جو پہلے کسی سیاسی اساس پر مذہب سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتے تھے، اس روش کو بالکل بدل ڈالا، اور سیاسی جدوجہد میں مذہب کے نام پر خوش آئند وعدوں سے عوام کو اپنی طرف راغب کرنا شروع کیا۔ مارشل فوزی چقماق، جو جنگ آزادی کا بطل حریت اور ایک باخدا مسلمان ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اس نے ملت پارٹی کی بنا ڈالی، اس میں بہت سے قدامت پسند اور وہ لوگ جو روایاتی اسلام میں ایک نئی روح پھونکنے کے آرزومند تھے، اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک دوسری نہایت اہم چیز ان سیاسی پارٹیوں کے فروغ پانے

سے یہ رونما ہوتی کہ اسلام کے تعلق سے زیادہ سے زیادہ آرا، حاصل کرنے کی جو جہد و سعی جاری تھی اس میں تمام پارٹیوں اور خاص کر عمومیت پسندوں نے اس طبقہ کی طرف رجوع کیا، جو دیہاتی آبادی پر مشتمل تھا اور جس کو لمبا اوقات نظر انداز کیا جاتا رہا تھا۔ اصحاب سیاست کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ صوبوں کے مرکزوں اور بڑے شہروں سے زیادہ قصبات میں اسلام کے ساتھ وابستگی پائی جاتی ہے، تو انھیں اس پر یک گونہ استعجاب ہوا، تاہم یہ چیز جلال بایار اور پروفیسر فواد کوپرلو (Köprülü) جیسے ماہرین کے لئے باعث حیرت نہ تھی۔ انھیں نئے سرے سے اس امر کا احساس ہوا کہ دیہاتی زندگی میں اسلام کو خاص اہمیت، عزت اور قوت حاصل ہے، اور ان کے نزدیک یہ بے انتہا عزیز ہے۔ اہلِ سیاست نے فطری طور پر ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اسلام پر زیادہ توجہ دینے کے وعدے کئے اور اپنے سیاسی مقاصد کے حصول میں ان کے ان مذہبی جذبات سے کھیلنا چاہا۔

ان سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا شدہ حالات کے پہلو بہ پہلو ہم ایک مستقل انداز پر ایسے کاموں اور خدمات کا ایک سلسلہ پاتے ہیں جنہیں عامۃ الناس کی سرپرستی حاصل ہے، اور جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب کے ساتھ محبت و دلچسپی نے پھر سے ایک نئی زندگی حاصل کر لی ہے۔ اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل واقعات کو پیش کیا جا سکتا ہے :- خانگی طور پر مسجدوں کی تعمیر اور رقمی اعانت؛ مذہبی تعلیم کا خانگی انتظام؛ فریضۂ حج کی ادائی اور مقامی درگاہوں کی زیارت؛ جمعہ و جماعات کا قیام اور ماہِ صیام میں روزوں کی پابندی؛ نماز جماعت کے لئے کثیر تعداد کی حاضری بلکہ بعض دفعہ اژدہام؛ مذہبی لباس پہننے والوں کا احترام؛ روزمرہ کی بول چال میں مذہبی فقروں اور دعائیہ کلمات کی مقبولیت؛ پبلک مقامات، بسوں اور ٹیکسیوں پر آیاتِ قرآنی اور طغروں اور نقشوں کا استعمال؛ مذہبی تنظیمات کی روز افزوں ہر دلعزیزی، (اگرچہ درویشی نظامات پر ہنوز قانونی امتناع عائد ہے) ان مطبوعات کی کثرت جو خالصاً دینی ذوق کی تکمیل پذیری کرتے ہیں؛ اخبارات و رسائل

کے زائد حصہ کا دیگر اسلامی ممالک کے واقعات سے مطلع ہونا، نوری دلمی راغ (Demiraag) اور رؤف آر بے (Orbay) جیسے سربرآوردہ اشخاص کا بیرون ملک اسلامی موتمروں میں شرکت کے لئے جانا، مذہبی پیشواؤں اور مبلغوں کی تعلیم و تربیت کے لئے عوام کی طرف سے سرکاری مدارس کو رقمی امداد، طلبار کی کثیر تعداد کا ان اداروں اور انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں داخل ہونا، چودھویں صدی کے ترکی شاعر سلیمان چلپی کی مشہور نظم مولود شریف کا مذہبی مجلسوں اور تقریبی جلسوں میں پڑھا جانا، ہر شعبۂ زندگی میں مذہبی معاملات پر بحث و گفتگو کا عوام میں شدید ذوق و میلان، اور ان پر نقد و تبصرہ کی ان میں حقیقت پسندانہ و ناقدانہ صلاحیت، دیہات و قصبات میں مناسب قابلیت رکھنے والے پیش اماموں کا مطالبہ، اور آخر میں کھلے طور پر اس بات کا عام اقرار کہ بہت سارا وقت ان معاملات پر کافی توجہ دئے بغیر گذار دیا گیا اور اب ملت اور اس کے افراد پر یہ لازم ہے کہ اپنے اس روحانی ورثہ کو دوبارہ جانچیں اور خود کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیں، اس کامل انقیاد اور مخلصانہ اطاعت کا اسے ہر طرح کا حق حاصل ہے۔

حکومت کی جانب سے انتظامات و تدابیر

ایک حد تک اپنے طور پر اور عام مطالبہ سے مجبور ہو کر حکومت نے اسلام کی طرف توجہ دینے اور گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرنے کے لئے اس سلسلے میں کئی اقدامات کئے ہیں۔

۱۹۵۰ء میں عربی اذان پر سے پابندی اٹھا دی گئی، چنانچہ اب عربی یا ترکی میں ہر طرح اذان سنی جاتی ہے جو بالعموم عربی میں ہوتی ہے حکومت کی نشریات میں تلاوتِ قرآن کا ایک مقررہ پروگرام رہتا ہے۔ مئی ۱۹۵۵ء تک واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی اختیار نہیں کی گئی جو کھلے بندوں غیر آئینی مذہبی لباس زیب تن کئے پھرتے ہیں، جن کا استعمال عورتوں اور مردوں دونوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ تاہم اس رجعت پسندانہ میلان کی طرف اخبارات میں تشویش کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، اس بنا پر حفاظتی دستوں کے نام یہ عام حکم جاری کیا گیا کہ رمضان

میں عوام لباس سے متعلق آئین شکنی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور بلا جھجک ٹوپی اوڑھے ہوئے باہر نکلتے ہیں، ایسے خلاف ورزی کرنے والوں کو قید و جرمانہ کی سزا دی جائے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد کئی ایک مقبروں کی مرمت کی گئی اور انھیں عوام کے لئے کھول دیا گیا۔ ان میں سے بعض حسب سابق مرکز عقیدت و زیارت بنے ہوئے ہیں۔

نوجوان نسل میں عام جہالت و لاعلمی کو دور کرنے کی تعمیری جد و جہد کے تحت ۱۹۴۹ء میں ابتدائی مدارس میں زائد از اوقات مذہبی تعلیم کی رضاکارانہ اجازت دی گئی، بشرطیکہ والدین اپنے بچوں کے لئے اس بات کی درخواست کریں اور اس خدمت کے لئے رضاکارانہ طور پر کام کرنے والے معلمین فراہم ہو جائیں۔ ۱۹۵۰ء میں یہ شرائط بالکل منقلب کر دئے گئے۔ اب تمام مدارس میں مذہبی تعلیم، نصاب کا ایک لازمی جزو ہے۔ جو والدین اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینا نہیں چاہتے انھیں اس سے مستثنیٰ رکھنے کی درخواست دینی پڑتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ چند بیرونی غیر مسلم طالب علم جو ترکی کے ابتدائی مدرسوں میں شریک ہیں وہ اپنے والدین کے علم کے بغیر باقاعدہ مذہبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ایک ولندیزی بچہ نے انقرہ میں اپنے خاندان کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا جب کہ اس نے مجھ سے یہ بات کہی کہ وہ اسلام کی بابت کافی واقفیت رکھتا ہے اور اسلام سے متعلق اس کے اتنے ہی معلومات ہیں جتنے کہ اس کے دوسرے ترکی ساتھی رکھتے ہیں۔

باقی

صراطِ مستقیم

انگریزی زبان میں اسلام کی صداقت پر ایک معزز یورپین نو مسلمہ خاتون کی مختصر اور بہت اچھی کتاب محترم خاتون نے شروع میں اپنے اسلام قبول کرنے کے مفصل وجوہ بھی تحریر کئے ہیں۔ قیمت دس آنے۔

منیجر:- مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۶